26

مذہب ہر ایک سے قربانی چاہتا ہے خواہ کوئی بڑا ہو یا چھوٹا، غریب ہو یا امیر

(فرمودہ 21 اگست 1942ء بمقام پالم پور)

تشہد، تعوّذ اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

"پہاڑ بھی انسانی زندگی کے لئے ایک سبق رکھتے ہیں چنانچہ دیکھ لو ہمارا ارادہ گزشتہ جمعرات کو قادیان واپس جانے کا تھا لیکن راستہ پر پہاڑوں کے گر جانے کی وجہ سے ہم نہیں جا سکے اور زیادہ ٹھہرنا پڑا ہے۔ یہ چیز ہمارے لئے یہ سبق رکھتی ہے کہ پہاڑ بے شک آرام کی جگہ ہیں اور ٹھنڈ کی جگہ ہیں۔ انسان کو ان کے نظاروں سے فرحت حاصل ہوتی ہے اور سیر سے صحت حاصل کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ایک خطرہ بھی لگا ہوا ہے کہ انسان جب پہاڑوں پر جاتا ہے اور وہاں آرام پاتا ہے، ٹھنڈ حاصل کرتا ہے اور صحت وغیرہ حاصل کر کے واپس جانے لگتا ہے تو کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس آرام کے پانے کے بعد وہ اپنے وطن جانے سے روک دیا جاتا ہے اور وہی پہاڑ جو اس کے لئے نعمت تھے اور آرام کا موجب تھے اس کے پیارے وطن کی طرف واپس جانے میں روک بن جاتے ہیں اور وہ اپنی مرضی سے واپس نہیں جا سکتا۔

یہی حال انسان کا ہے کہ کبھی اسے اس کی خواہش کے مطابق دولت مل جاتی ہے یا ترقیات مل جاتی ہیں یا حکومت مل جاتی ہے یا علم مل جاتا ہے یا رعب حاصل ہو جاتا ہے یا اَور کسی رنگ میں خدا کا فضل نازل ہوتا ہے تو وہی چیز ایک جانب فضل کا موجب ہوتی ہے دوسری طرف

وہ اس نعمت کے حصول سے جو خدا تعالیٰ کا قرب ہے روک بن جاتی ہے کیونکہ انسان کا اصل وطن تو خدا تعالیٰ ہے۔ جب وہ اس کی طرف جانا چاہتا ہے تو یہ چیزیں اس کے رستے میں روک بن جاتی ہیں اور یہ چیز بسا اوقات اس کے لئے نہایت رنج و عذاب کا موجب ہو جاتی ہے بلکہ اس پر ایسی حالت آتی ہے کہ اگر اسے پہلے علم ہو جاتا کہ یہ میرے لئے عذاب کا موجب ہو گی تو وہ اس کے حصول کی خواہش ہی نہ کرتا۔ رسول کریم ﷺ کے زمانے میں ایک شخص آیا اور عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللہ ! مَیں غریب ہوں، میرے پاس کچھ نہیں۔ ادھر مَیں اپنے بھائیوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ خدا کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں، چندے دیتے ہیں تو مجھے تکلیف ہوتی ہے کہ مَیں اپنی غربت کی وجہ سے کچھ نہیں کر سکتا۔ آپؐ دعا کریں کہ ہماری تکلیف دور ہو جائے اور ہم بھی اپنے بیوی بچوں کو کھلا سکیں اور دین کی خدمت کر سکیں۔ رسول کریم ﷺ نے اسی وقت ہاتھ اٹھائے اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ کشائش دے۔ کچھ دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان کئے کہ اسے مال ملا، اس میں برکت پڑنی شروع ہوئی یہانتک کہ اس کے پاس اس قدر دولت ہو گئی، اس قدر مویشی ہو گئے کہ ان پر زکوٰۃ واجب ہو گئی۔ رسول کریم ﷺ کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والا افسر اس کے پاس گیا اور زکوٰۃ مانگی لیکن وہی شخص جس نے رسول کریم ﷺ سے اس لئے دعا کرائی تھی کہ اگر اس کی حالت اچھی ہو جائے تو خدا کے راستہ میں قربانیاں کرے گا، چندے دے گا۔ جب خدا تعالیٰ نے اس کی حالت درست کر دی تو اس نے اس افسر کو جواب دیا کہ زکوٰۃ لینے آجاتے ہیں، یہ نہیں دیکھتے کہ انسان پر اَور ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں۔ اس نے اپنے بیوی بچوں پر بھی خرچ کرنا ہوتا ہے اَور اخراجات بھی ہوتے ہیں۔ بس اسی سے کام ہے کہ زکوٰتیں دو۔ اس افسر نے یہ جواب سنا اور رسول کریم ﷺ سے آکر اس کا جواب عرض کر دیا۔ کوئی اَور شخص ہوتا جس کے پاس پہلے ہی سے مال وغیرہ ہوتا اور وہ اس قسم کا جواب دیتا تو شاید رسول کریم صلعم اسے کچھ اور سزا دیتے مثلاً مقاطعہ کرتے یا اسلام سے خارج قرار دیتے جیسا کہ حضرت ابو بکرؓ نے کیا لیکن چونکہ اس شخص نے دعا کے ذریعہ یہ دولت حاصل کی تھی۔ رسول کریم ﷺ نے اسے مقاطعہ وغیرہ کی سزا نہ دی بلکہ یہ سزا دی کہ آئندہ اس سے زکوٰۃ وصول نہ کی جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس آدمی کے دل میں دعا کراتے

وقت ایمان تھا اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ تھا جن کے دل میں دعا کراتے وقت بھی نیک خواہش نہیں ہوتی بلکہ وہ اس وقت بھی خدا سے ٹھگی کر رہے ہوتے ہیں۔ اس ایمان کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر اس کے دل میں ندامت پیدا ہوئی اور وہ زکوٰۃ لایا۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم نے جو کہنا تھا وہ کہہ دیا۔ اب تمہاری زکوٰۃ قبول نہ کی جائے گی۔ وہ شخص اپنا مال لے کر واپس چلا گیا پھر دوسرے سال لایا اس وقت بھی رسول کریم ﷺ نے یہی جواب دیا۔ چنانچہ ہر سال وہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں زکوٰۃ لاتا مگر اسے واپس کر دیا جاتا۔ ادھر اس کے مال کے اندر اس قدر برکت ہوتی چلی گئی کہ روایت ہے کہ وہ یہاں تک مال لاتا کہ صرف زکوٰۃ کے جانوروں سے میدان بھر جاتا حتّٰی کہ رسول کریم ﷺ کا زمانہ گزر گیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا۔ پھر وہ شخص زکوٰۃ لایا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس کی زکوٰۃ محمد رسول اللہ ﷺ نے قبول نہیں کی، مَیں اس کی زکوٰۃ کیونکر قبول کر سکتا ہوں۔ وہ شخص روتا ہوا چلا گیا پھر اگلے سال آیا چنانچہ ہر سال وہ آتا اور روتا ہوا چلا جاتا۔ [1] اس سے پتہ لگتا ہے کہ اس کی نیت ٹھیک تھی مگر ایمان اس قدر مضبوط نہ تھا کہ اس افسر کے مطالبہ کے وقت وہ ذاتی کمزوری کا مقابلہ کر سکتا۔

یہی حال بعض انسانوں کا ہے کہ پہلے وہ خواہش کرتے ہیں کہ انہیں خدا تعالیٰ کے فضلوں کے پہاڑ پر جانا میسر ہو اور وہ ان میں جائے اور ٹھنڈ حاصل کرے اور آرام پائے، وہاں کے ٹھنڈے پانی پیئے اور سبزہ زاروں سے آنکھوں کو طراوت پہنچائے لیکن جب وہ اس کی خواہش کر رہا ہوتا ہے تو اس کے اندر کوئی کمزوری بھی ہوتی ہے جس کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی ناراضگی کی چٹانیں وطن کی واپسی کے راستہ پر گر جاتی ہیں اور اسے بند کر دیتی ہیں یعنی خدا تعالیٰ کی ملاقات کا راستہ اور خدا تعالیٰ کے قرب کا مقام ہی مومن کا اصل وطن ہے، بند ہو جاتا ہے اور انسان دنیوی آرام کا عارضی مقام تو پالیتا ہے لیکن اصل وطن یعنی قربِ الٰہی کی طرف لوٹنے کا کوئی سامان اس کے پاس نہیں رہتا۔ اس خرابی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو جو نعمتیں ملتی ہیں خواہ بڑی ہوں یا چھوٹی انسان اکثر ان کے بارہ میں غور کرتے ہوئے اپنے سے اوپر کے درجہ والوں کی طرف دیکھتا ہے نیچے والوں کو نہیں دیکھتا مثلاً اگر ایک شخص کے پاس ایک وقت کی روٹی موجود ہے تو وہ بجائے اس کے کہ نیچے کی طرف دیکھے یعنی

اس شخص کو جس کے ہاں فاقہ ہے اور اس کے دل میں شکر پیدا ہو، وہ اوپر والے کی طرف نگاہ کرتا ہے جس کے پاس دو وقت کی روٹی ہوتی ہے اور کہتا ہے کہ دو وقت کی روٹی والا مجھ سے اچھا ہے۔ اس پر فرض ہے کہ خدا کے احکام کی فرمانبرداری کرے اور قربانی کرے۔ اسی طرح دو وقت کی روٹی والا بجائے ایک وقت کی روٹی والے کو دیکھنے کے اور شکر کرنے کے اوپر والے کی طرف دیکھتا ہے جس کے پاس ایک ہفتہ کی روٹی ہوتی ہے اور کہتا ہے کہ اس ہفتہ بھر کی روٹی کا سامان رکھنے والے پر قربانی فرض ہے۔ مجھ پر کہ بالکل غریب ہوں کیونکر قربانی فرض ہو سکتی ہے۔ پھر وہ ایک ہفتہ کی روٹی والا بجائے نچلے کو دیکھنے کے اوپر والے کو دیکھتا ہے جس کے پاس تین ماہ کی روٹی ہوتی ہے اور کہتا ہے کہ میرا کیا ہے ایک ہفتہ کے بعد مجھے پھر روٹی کی فکر ہو گی۔ اس شخص کو قربانی کرنی چاہیئے جو تین ماہ کی روٹی کا سامان رکھتا ہے اور وہ تین ماہ کی روٹی کا سامان رکھنے والا اپنے سے نیچے والے کو دیکھنے کی بجائے اوپر والے کو دیکھتا ہے جس کے پاس ایک سال کی خوراک ہے اور کہے گا کہ اس شخص پر قربانی واجب ہے جس کے پاس سال بھر کی خوراک ہے میرا سامان تو تین ماہ کے بعد ختم ہو جائے گا اور پھر مجھے فکر کرنا پڑے گا۔ وہ اوپر کا شخص آگے اپنے سے اوپر والے کو دیکھتا ہے جس کے پاس ساری عمر کے لئے جائداد ہے اور کہتا ہے کہ اس شخص کو قربانی کرنی چاہیئے جس کے پاس عمر بھر کا کھانا کپڑا موجود ہے۔ مَیں تو کنگال ہوں اور وہ اپنے سے اوپر والے کو دیکھتا ہے جس کے پاس گزارہ کے لئے اَور کچھ پس انداز کرنے کے مطابق جائداد ہے اور کہتا ہے کہ مَیں خدا کے دین کی خدمت کس طرح کر سکتا ہوں۔ اس پر خدمت دین واجب ہے جس کے پاس کچھ زائد بچ جاتا ہے اور جو بیوی بچے کے خرچ اور مال کے انتظام کے بعد پس انداز کر سکتا ہے۔ مجھ پر بھلا کیونکر واجب مَیں تو اس سے کم ہوں۔ پھر وہ شخص اس کو دیکھتا ہے جس کے پاس ہزار دو ہزار جمع ہے اور کہتا ہے کہ مجھ پر کس طرح قربانی واجب ہے۔ اس شخص کو قربانی کرنی چاہیئے جس کے پاس رقم جمع ہے لیکن یہ شخص پھر آگے بہانہ بناتا ہے کہ ہزار دو ہزار بھی کوئی چیز ہے اس کو قربانی کرنی چاہیئے جس کے پاس 50،60 ہزار جمع ہے۔ ہزار دو ہزار تو ذرا بیماری آجائے تو خرچ ہو جاتا ہے۔ اوپر کا شخص اپنے سے اوپر والے کو جس کے پاس لاکھ دو لاکھ ہے دیکھتا ہے اور وہ اس سے اوپر والے کو

جس کے پاس کروڑ دو کروڑ ہے۔ اس نقطہ نگاہ کے مطابق ہوتے ہواتے ساری خدمت دین صرف دنیا میں ایک شخص پر واجب ہو جاتی ہے جو دنیا کا سب سے زیادہ مالدار ہو باقی سب آزاد ہو جاتے ہیں۔ چونکہ نیچے سے بنیاد کج رکھی گئی تھی اس لئے سارے کے سارے معذور ہوتے چلے گئے۔ ایک وقت کی روٹی والے نے دو وقت کی روٹی والے کو دیکھا۔ اس نے ہفتہ بھر کی روٹی والے کو، اس نے اس سے اوپر دیکھا حتّٰی کہ آخر میں ایک شخص رہ گیا جو دنیا میں سب سے زیادہ مالدار تھا مگر انسانی نفس جب بہانے بنانے پر آجائے تو پھر وہ آخری شخص کیوں نہیں بنا سکتا۔ وہ بھی کہہ سکتا ہے کہ ہم سے پوچھو کہ ہم کو کس قدر اخراجات کرنے پڑتے ہیں، حد سے زیادہ ٹیکس دینے پڑتے ہیں، پبلک کاموں میں حصہ الگ لینا پڑتا ہے، انتظامات کے اخراجات اور بے شمار ضرورتیں ہوتی ہیں جن پر خرچ کرنا پڑتا ہے اور اس قدر فکر ہے کہ رات دن سونا حرام ہے۔ مجھ سے اچھا تو وہ شخص ہے جس کو کوئی فکر نہیں بلکہ مَیں نے اس قسم کے لوگوں کی کتب پڑھی ہیں جو مالداروں کو غریبوں سے زیادہ رحم کا مستحق قرار دیتے ہیں۔ اگر اس طریق کو اختیار کرنے کی بجائے ہر ایک شخص اپنے سے نیچے کو دیکھنا شروع کرتا تو حالت بالکل الٹ جاتی۔ اگر وہ نیچے کو دیکھتا تو کہتا کہ دوسرے لوگ تو محروم ہیں ہمارے پاس تو بہت کچھ ہے ہمیں بہت زیادہ قربانی کرنی چاہئے اور قربانیاں کرتا۔ کروڑ پتی لکھ پتیوں کو دیکھ کر، لکھ پتی ہزاروں والوں کو، ہزاروں والے سینکڑوں والے کو اور یہ ان کو جن کے پاس سال کے روٹی کپڑے کا سامان ہے، وہ ان سے نیچے والوں کو، وہ اپنے سے نیچے والوں کو حتّٰی کہ اُن کو جن کے پاس کچھ بھی نہیں۔ اور جن کے پاس کچھ نہیں وہ بھی اسی طرح شکر کر سکتے ہیں کہ ہمیں بھوک تو لگتی ہے۔ بعض مسلول ہوتے ہیں کہ ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا، لوگ دے بھی دیں تو انہیں بھوک نہیں لگتی، وہ کھا نہیں سکتے، اسی طرح غریب مسلول وغیرہ کی نیکی بھی اپنے لئے راستہ نکال لیتی ہے۔ وہ یہ سوچ سکتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بعض عمل سے نیکی کرنے والے کے برابر ان کو بھی کہ عمل کی توفیق نہیں رکھتے مگر دل سے نیکی کی تڑپ رکھتے ہیں ثواب ملتا ہے[2] اور وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ شکر ہے کم سے کم دل سے تو دعا کر سکتے ہیں اور اس مجنون کی طرح نہیں ہیں جو نیکی کی نیت بھی نہیں کر سکتے۔

غرض ایک نقطۂ نگاہ سے یعنی اوپر سے نیچے کی طرف دیکھنے سے دنیا میں امن اور نیکی قائم ہو جاتے ہیں اور دوسرے نقطۂ نگاہ سے فساد اور بدی کا بیج بویا جاتا ہے۔ اس نظارہ کی مثال رسول کریم ﷺ نے یوں بیان فرمائی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک شخص کو سب سے آخر میں دوزخ سے نکالے گا مگر اس کا مُنہ دوزخ کی طرف ہی رہنے دے گا۔ تو وہ عرض کرے گا کہ اے میرے خدا تُو نے مجھے دوزخ سے نکالا اب تُو اتنا کرم فرما کہ میرا منہ دوزخ سے ہٹا کر جنت کی طرف کر دے۔ چنانچہ اس کا مُنہ دوزخ سے ہٹا کر جنت کی طرف کر دیا جائے گا اور وہ بھیانک نظارے جنہیں دیکھ کر اسے دکھ ہوتا تھا جاتے رہیں گے اور وہ جنت کو دیکھ کر آرام حاصل کرے گا۔[3]

یہی حال نقطۂ نگاہ کے بدلنے سے ہوتا ہے۔ ایک شخص انہی حالات میں اسی زمانہ میں انہی طاقتوں کے ساتھ اگر اس کا نقطہ نگاہ یہ ہو کہ ہم کمزور ہیں، ہم کیا کر سکتے ہیں دوزخ میں پڑ جاتا ہے اور وہی شخص انہی حالات میں انہی سامانوں سے اگر اس کا نقطۂ نگاہ یہ ہو کہ مجھ سے کم سامانوں والے یا کم صحت والے اور لوگ بھی ہیں، مجھے ان سے بڑھ کر نیکی سے کام لینا چاہئے اور ان کا بوجھ بھی اٹھانا چاہئے جنت میں چلا جاتا ہے۔ مذہب ہر ایک سے قربانی چاہتا ہے۔ بڑا اپنی جگہ اور اپنے رنگ میں قربانی کرتا ہے، چھوٹا اپنی جگہ اپنے رنگ میں قربانی کرتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ کو دیکھ لو بعض کے پاس مال تھا انہوں نے مال سے قربانی کی۔ بعض کے پاس تھوڑا تھا وہ تھوڑا لے آئے۔ جن کے پاس کچھ بھی نہ تھا وہ ہاتھ سے خدمت کرتے تھے۔ حضرت نبی کریم ﷺ نے چندے کی تحریک کی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس بہت سا مال تھا وہ سارا لے آئے اور حضرت عمرؓ اپنا آدھا مال لے آئے اور سمجھتے تھے کہ آج قربانی میں مَیں حضرت ابو بکرؓ سے سبقت لے جاؤں گا مگر جب حضرت نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے پوچھا کہ ابو بکرؓ گھر میں کیا چھوڑ آئے تو انہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کا نام چھوڑ آیا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو نصف مال لائے تھے اپنے دل میں شرمندہ ہوئے کہ مَیں تو نصف مال لایا ہوں مَیں کس طرح سبقت لے جا سکتا ہوں۔[4] ایک شخص کے پاس کچھ بھی نہ تھا اس نے بازار میں جا کر مزدوری کی۔ اسے مُٹھی بھر جَو ملے وہ وہی جَو لے کر آیا اور حضرت نبی کریم ﷺ

کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ اس پر منافقوں نے کہنا شروع کر دیا کہ دیکھو یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم مٹھی بھر جَو دے کر دنیا کو فتح کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ایک رنگ میں جواب دے دیا۔ فرماتا ہے کہ مومن کی قربانی تو بیج کی طرح ہوتی ہے۔ [5] ایک بیج سَو دانے پیدا کرتا ہے اور وہی دانہ تیسرے مقام پر جا کر ایک لاکھ بن جاتا ہے۔ پھر وہی لاکھ چھ سات تبدیلیوں میں جا کر اس قدر ہو جاتا ہے کہ ساری دنیا اسی سے کھاتی ہے۔ اسی لئے گورنمنٹ پہلے بیج بہت تھوڑے تیار کرتی ہے۔ اس سے بعد میں بے شمار فصلیں تیار ہوتی ہیں۔ چنانچہ دیکھو کہ ابھی سات آٹھ سال ہوئے کہ نمبر 591 گندم کا بیج نکلا تھا اوراب چند سالوں میں اس قدر گندم ہوئی ہے کہ کروڑوں مَن یہ گندم منڈیوں میں فروخت ہوتی ہے۔

یہی حال قربانیوں کا ہے کہ قربانیاں خدا کے راستہ میں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ پس منافقوں کا اعتراض بالکل فضول تھا۔

بہرحال صحابہؓ نے اپنے اپنے رنگ میں قربانیاں کیں، لڑائیوں میں حفاظت کے کام کئے۔ جن کے پاس اَور کچھ نہیں انہوں نے جانیں ہی پیش کر دیں۔ مومن کو قربانی کے لئے ہمیشہ ایسا نقطہ نگاہ رکھنا چاہئے کہ نیچے کے حالات والے کو دیکھے اور اس کے لحاظ سے اپنے دل میں شکر کرے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ، میرے لئے تو بڑا موقع ہے کہ مجھے خدا نے اس سے زیادہ دیا ہے۔ اس نقطۂ نگاہ سے لالچ، حرص، حسد مٹ جاتا ہے۔ امریکہ کے کروڑ پتی باوجود اس قدر مالدار ہونے کے اپنے دل میں خوش نہیں بلکہ وہ کمیٹیاں بناتے ہیں اور ٹرسٹ قائم کرتے ہیں کہ مثلاً سارا مٹی کا تیل ہمارے قبضہ میں آجائے پھر جس طرح چاہیں بیچیں۔ یہ سب اسی لئے ہوتا ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ ہمارے روپے اَور بھی زیادہ ہوں اور یہ حسد اور لالچ کی آگ روپے کے بڑھنے سے اَور بھی بڑھتی ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ ایک لاکھ ہے تو دو لاکھ ہو جائے اور کہیں ٹھہرنے کا نام نہیں لیتا۔ اس سے بچنے کی ایک ہی راہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو جائے اور اپنی حالت پر رہتے ہوئے قربانی کرے اور ناشکری کے تباہ کُن گڑھے سے اپنے آپ کو بچائے رکھے تا کہ جب کبھی خدا تعالیٰ کا فضل اسے دنیوی آرام کی پہاڑیوں پر بھیجے تو اس کی واپسی کا راستہ کھلا رہے اور خدا تعالیٰ کے غضب کے پہاڑ اس پر گر کر اسے خدا تعالیٰ کی طرف

لَوٹنے سے محروم نہ کر دیں اور وہ بے وطنی کی موت کا شکار نہ ہو۔"

(الفضل 28 اگست 1942ء)

1: اسد الغابة جلد اول صفحہ 237-238 مطبوعہ ریاض 1384ھ

2: بخاری کتاب الجهاد باب من حبسه العذر

3: بخاری کتاب الاذان باب فضل السجود

4: ترمذی ابواب المناقب باب مناقب ابی بکر الصدیق

5: بخاری کتاب التفسیر باب قَوْلِهٖ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ (الخ)